حرفِ اوّل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاریخ کا سبق

تاریخِ اسلام اس حقیقت پر شاہد ہے کہ جب بھی مسلمانوں پر خارج سے کوئی فتنہ حملہ آور ہوا اور حکمران، اہلِ علم اور عوام الناس اپنی اپنی سطح پر اس فتنے کے آگے بند باندھنے سے قاصر رہے تو نتیجتاً بعض طبقات میں ایک معذرت خواہانہ رویہ وجود میں آیا، جس کا لازمی عنصر یہ ہے کہ دینِ اسلام کی ایسی تعبیرات پیش کی جائیں جو ایسے فتنوں کے دفاع میں مسلمانوں کے لیے آسانیاں پیدا کریں۔ اس رویے سے بظاہر یہ فائدہ نظر آتا ہے کہ جہاں جہاں اسلامی تعلیمات کے حوالے سے عام آدمی کے لیے علمی اور عملی مشقتیں موجود ہوں وہاں قرآن وسنت کی ایسی تعبیرات وتاویلات کی جائیں کہ عام آدمی کے لیے بدلتے ہوئے حالات میں اسلامی شناخت مشکل مسئلہ نہ رہے۔

بظاہر یہ رویہ عام مسلمان کی ہمدردی اور سہولت کے جذبے پر مبنی ہے اور بسا اوقات بے دینی کی راہ پر گامزن بعض لوگوں کے حق میں مفید بھی ثابت ہو جاتا ہے، لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ تاریخی حقائق ہی کی روشنی میں اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ آیا اس رویے نے بحیثیت مجموعی اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچایا ہے یا نقصان، اور کیا ایسی کوشش کو تاریخ میں اسلام کی مثبت خدمت کے طور پر جانا جاتا ہے یا کسی اور شکل میں؟

ہمارے سامنے تابعین کے دور سے آج تک کئی مثالیں موجود ہیں۔ قرنِ اول ہی میں جب عقلیت پسندی کی یلغار ہوئی اور فلسفہ ومنطق نے مسلم ذہن وفکر کو چکاچوند کر دیا تو دفاع میں ایک زبردست علمی تحریک نے جنم لیا۔ یہ تحریک 'معتزلہ کی تحریک تھی جس نے نہایت آن بان کے ساتھ عقل ومنطق کی سطح پر دفاعِ اسلام کا بیڑا اٹھایا۔ آغاز میں اس تحریک کو بظاہر جو کامیابی نصیب ہوئی وہ کسی بیان کی محتاج نہیں، لیکن جب اسی عقلیت پسندی اور حجیتِ عقل نے بعض مسلمہ عقائدِ دینی کی ماہیت بدل دی تو حق پرست اہلِ علم کو ہوش آیا اور بالآخر انہیں اُسی تحریکِ اعتزال کے خلاف صف آرا ہونا پڑا جو طویل عرصہ تک دفاعِ اسلام کی جنگ لڑتی رہی۔ حتی کہ یہی تحریکِ اعتزال اسلام کے اصل دھارے (mainstream) سے منحرف گروہ قرار پائی۔

© rasailojaraid.co

ہندوستان میں جب ہمہ اوستی نظریات کا فروغ ہوا تو وحدت الوجود کی آڑ میں بعض باطل عقائد کے ذریعے ان نظریات سے اسلام کے دفاع کی کوششوں نے دینی عقائد کا حلیہ بگاڑ دیا اور پھر دینِ اکبری کا' جو بظاہر مثبت جذبے اور معتدل رویوں کا شاخسانہ تھا' انتہائی خیر خواہانہ انداز میں بعض چوٹی کے اہلِ علم کی سرپرستی میں فروغ اسی معذرت خواہانہ رویے کی نمایاں مثالیں ہیں۔ اسی طرح انگریزوں کی علمی' سائنسی اور انتظامی برتری نے سرسید احمد خان جیسے مخلص اور دیندار انسان کو عقیدہ و عمل کی ایسی راہوں پر گامزن کردیا جس نے شاید بعض مسلمانوں کو تو 'کچھ' خیر' پہنچایا ہو' اسلام کو کئی شدید صدمات سے دوچار کردیا۔

اب اسی نوع کا معاملہ 9/11 کے حادثے کے بعد درپیش ہے۔ مغرب کا الزام ہے کہ اسلام غیر معتدل' تشدد پسند اور حقوقِ انسانی کا مخالف 'مذہب' ہے۔ اور یہی نہیں' انہیں اسلام کا سب سے بڑا جرم یہ نظر آتا ہے کہ اسلام جہاد و قتال کے لیے سرگرم اور نفاذِ شریعت کے ضمن میں قدامت پسند بلکہ ناقابلِ قبول نظریات کا حامل ہے۔ ایسے میں 'مہذب' دنیا کے لیے اسلام کے ساتھ کسی قسم کی مصالحت (compromise) کا کیا امکان ہے؟ اس کڑے وقت میں مسلمانوں سے 'ہمدردی' کے جذبے سے سرشار بعض علمی تحریکات نے سر اُٹھایا ہے اور اُن تمام قابلِ اعتراض باتوں پر علمی موشگافیوں کے ذریعے دیگر اقوام و مذاہبِ عالم پر یہ ظاہر کرنے کی سعی کی جارہی ہے کہ دنیا کو فکر مند نہیں ہونا چاہیے' اسلام اور سیکولرزم میں کوئی تصادم نہیں ہے...... جہاد و قتال بطور دینی فریضہ اول تو قرنِ اوّل ہی کا خاص معاملہ تھا اور اگر آج ضرورت پیش آئے بھی تو اس کی شرائط اتنی کڑی ہیں کہ عملاً اس کی نوبت نہیں آسکے گی...... مخلوط معاشرت اگر ''نیک نیتی'' سے ہو تو اسلام میں ممنوع نہیں...... علمائے کرام کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ نفاذِ اسلام کے لیے حکومتِ وقت پر دباؤ ڈالیں' ہاں اربابِ حکومت سے نیازمندانہ استدعا ضرور کی جاسکتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ چند روز قبل ایسی ہی 'علمی تحریک' سے وابستہ ایک نوجوان سے گفت وشنید کا موقع ملا تو یہ بات ہمارے سامنے واضح ہوئی کہ مسلّماتِ دینیہ کے خلاف خم ٹھونک کر میدان میں اترنے کے پیچھے اصل جذبہ وہی معذرت خواہانہ رویہ ہے جو یہاں اس صورت میں ظاہر ہوا ہے کہ ''آج کی پڑھی لکھی نوجوان نسل دین سے برگشتہ اور بدظن ہے اور ہماری تعبیرات اور تشریحات نے اس نسل میں دین کے ساتھ وابستگی کو ممکن بنادیا ہے''۔

ہم ان کے ہمدردانہ جذبات کی قدر کرتے ہیں اور بس اس قدر گزارش کرنا چاہتے ہیں کہ تاریخ کے سبق کو کبھی مت بھولیں۔ دین تو نام ہی ''مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِی'' کا

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.co
© rasailojaraid.co